

میرزاخان داغ دہلوی (غزل نمبر 2)

شعر نمبر 1:

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غم دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ زیر تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”میں نے تو آپ کا دل رکھنے کی خاطر آپ کی بات مان لی لیکن جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو چلا گیا۔“

محبت کرنے والے محبوب کی خوشی کی خاطر اس کی ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں اور بعض اوقات محبوب کو جتا بھی دیتے ہیں کہ تم نے جو کچھ کہا غلط کہا۔ واقعہ یہ ہے کہ محبوب عاشق کا دل رکھنے کے لئے اس سے کئی وعدے کرتا ہے، کئی قسمیں کھاتا ہے لیکن محبوب کوئی وعدہ پورا نہیں کرتا اور نہ ہی اسے اپنی کسی قسم کا لحاظ ہوتا ہے۔ داغ کے اس شعر میں بھی محبوب کی جھوٹی قسموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ داغ نے اپنی شاعری میں اپنے مخصوص انداز میں محبوب کی جھوٹی قسموں کا کثرت سے تذکرہ کیا ہے۔ انھیں محبوب سے یہ شکوہ ہے کہ ان کا محبوب بات بات پر قسمیں تو بہت کھاتا ہے لیکن ایک قسم بھی پوری نہیں کرتا۔ داغ کا کہنا ہے:

اے لبِ یارا تجھ کو میری قسم
کبھی سچی قسم بھی کھائی ہے؟

داغ اپنے ایک اور شعر میں محبوب کی جھوٹی قسموں کا اپنے مخصوص انداز میں یوں ذکر کرتے ہیں۔

جھوٹی قسمیں بہت ہیں کھانے کو
مرے مرنے کا غم وہ کھائیں کیوں

محبوب جب عاشق سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھاتا ہے تو عاشق محبوب کی خاطر اور اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیتا ہے۔ عاشق کو محبوب کی ان جھوٹی قسموں کا بخوبی علم ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی محبوب کی باتوں پر یقین کر لیتا ہے۔ دراصل عاشق کو محبوب کی ہر بات پر محبوب کی خاطر یقین کرنا ہوتا ہے چاہے وہ قسم کھائے یا نہ کھائے۔ چنانچہ داغ کا یہ کہنا ہے کہ محبوب آپ کو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کی کی ضرورت نہیں ہے ہم تو آپ پر آپ کی خاطر اور آپ کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کی بات کا اعتبار کر لیتے ہیں۔ داغ اپنے ایک اور شعر میں یہی مضمون کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھائی قسمیں
مجھے یقین ہوا مجھے اعتبار آیا

داغ کا موقف یہ ہے کہ میں آپ کا دل رکھنے کے لیے آپ کی بات مان گیا ہوں لیکن جھوٹی قسم کھانے پر آپ کو دو ہر نقصان ہوا کہ ایک تو آپ نے جھوٹ بولا اور گناہ حاصل کیا دوسرا جھوٹی قسم کھانے سے آپ اپنے ایمان سے محروم ہو گئے۔ انسانی رشتہ اعتماد کی فضا میں ہی برقرار رہ سکتا ہے۔ جھوٹ بول کر، دھوکا دے کر کبھی بھی کوئی رشتہ برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ جب بھی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، سچائی سامنے آتی

ہے تو انسان کے دل میں اس شخص کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے جو اسے دھوکا دیتا رہا ہو، جو اس سے جھوٹ بولتا چلا آیا ہو۔ داغ اسی بنیادی حقیقت کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں کہ جھوٹ زیادہ عرصہ چھپا نہیں رہ سکتا۔ اس نے تو ظاہر ہونا ہی ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ جھوٹے انسان کا اعتبار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمھیں منصفی سے کہہ دو، تمھیں اعتبار ہوتا؟

شعر نمبر 2:

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غم دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ زیر تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”انھیں مفت میں ہمارا دل مل گیا تو کہتے ہیں کہ یہ دل ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ ہمارا احسان ماننے کے بجائے وہ شکایتیں کرتے ہیں۔“

یوں تو دنیا میں انسان لوگوں کو کئی تحفے دیتا ہے لیکن انسان اپنی زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ دل کی صورت میں محبوب کی نذر کر دیتا ہے۔ دل کا یہ نذرانہ اور تحفہ دیتے وقت عاشق کو کسی بدلے کی خواہش نہیں ہوتی وہ اپنی سب سے قیمتی چیز یعنی دل مفت میں محبوب کو دے دیتا ہے۔ داغ نے اپنے ایک اور شعر میں یہی بات کچھ یوں بیان کی ہے:

دیا مفت دل داغ نے اس پری کو
نہیں کوئی ناداں انسان سے بڑھ کر

محبت اک ایسا جذبہ ہے کہ جس میں محبت کرنے والا دل کی صورت میں اپنا سب سے قیمتی اثاثہ محبوب کو مفت میں سوپ دیتا ہے اور اسے بدلے کی کوئی تمنا نہیں ہوتی یوں مفت دل دے کر انسان محبوب پر ایک احسان کرتا ہے۔ داغ کا کہنا ہے:

دل دیتے ہیں لو مفت ہی کیا یاد کرو گے
احسان جو مانو گے تو آئے گی وفا یاد

مشہور مقولہ ہے ”مالِ مفت دل بے رحم“۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کو جو شے بغیر کچھ خرچ کیے مل جائے انسان کے نزدیک اس کی اہمیت کچھ نہیں ہوتی۔ داغ کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ ہم نے محبوب کو دل پیش کیا تو اس نے مفت کا مال سمجھتے ہوئے ہمارے دل کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ وہ بے نیازی اور بے رخی سے بولنے لگے کہ آپ کا یہ دل ہمارے کسی کام کا نہیں ہے یعنی اہمیت دینے کی بجائے محبوب نے ہمارے دل کو نظر انداز کر دیا۔ چوں کہ اس پر اس کا کچھ خرچ نہیں ہوا تھا اس لیے ہمارا احسان ماننے کی بجائے وہ شکوہ و شکایت کرنے لگا ہے۔ محبوب کو محبت کرنے والوں کے جذبات و احساسات کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ذات میں مگن رہتا ہے۔ اس کے لیے کسی کا محبت بھرا دل کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ داغ اپنے ایک اور شعر میں یہی مضمون کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ان کو پروا نہیں کیوں دل کے خریدار بنیں
مفت کے قصے ہی وہ مول لیا کرتے ہیں

خواجہ میر درد کا کہنا ہے:

دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ
ایسا تو دلبروں میں کوئی مفت بر نہیں

ہر انسان کی توقع یہ ہوتی ہے کہ جس طرح وہ دوسروں سے پیش آرہا ہے جو جذبات یا احساسات وہ دوسروں کے لیے رکھتا ہے جواب میں اسے ویسا ہی روپ ملے لیکن یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ جو شے آسانی سے مل جائے یا مفت مل جائے انسان کے نزدیک اس کی قدر و قیمت زیادہ نہیں ہوتی وہ اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اس کے پاس کتنی قیمتی چیز ہے یوں وہ بعض قیمتی اور اہم چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ان سے محروم بھی ہو جاتا ہے۔

داغ کا موقف یہ ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کو دل دیا تو بجائے اس کے کہ وہ ہمارا احسان مانے کہ دل جیسی قیمتی چیز جو محبت کے جذبات سے بھرا ہوا ہے، اسے پیش کر دیا ہے الٹا وہ شکایتیں کرتا ہے کہ یہ دل ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ حسن سلوک کا بدلہ سوائے حسن سلوک کے اور کچھ نہیں ہے مگر محبوب احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی بجائے الٹی شکایتیں کر رہا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

دعویٰ مہر و وفا پر وہ برا مان گئے
الٹے بدنام ہوئے، احسان کے احسان گئے

(بورڈ 2019ء)

شعر نمبر 3:

ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو
سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو مہمان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غم دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملات محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ زیر تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”اگر دل میں کوئی خواہش موجود نہ ہو تو اس کی مثال ایک ایسے گھر کی طرح ہے جو بے آباد ہو، جسے دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔“

خواہش اور آرزو کا تعلق دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک ضرورت اور دوسری ماحول۔ انسان کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اسے حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے لیکن جب انسان گرد و پیش میں دوسرے لوگوں کے پاس مختلف چیزیں دیکھتا ہے تو اس کا بھی جی چاہتا ہے کہ اس کے پاس بھی یہ چیزیں ہوں۔ یہی خواہش یا آرزو انسان کو متحرک کرتی ہے کام کرنے اور جدوجہد کرنے پر اکساتی ہے۔ اگر دل سے آرزوئیں ختم ہو جائیں تو انسانی ارتقارک جائے، سماجی سرگرمیاں معطل ہو جائیں۔ داغ کا موقف یہ ہے کہ ہمارے دل میں اب کوئی آرزو موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے دل ویران ہو گیا ہے۔ دل سے آرزوؤں کا ختم ہو جانا مایوسی کی علامت ہے۔ بہادر شاہ ظفر کا کہنا ہے:

ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دل داغ دار میں

انسان کے دل میں کئی آرزوئیں اور امیدیں آباد ہوتی ہیں دل کا گھر انہی آرزوؤں کی وجہ سے آباد ہوتا ہے۔ گویا یہ آرزوئیں اور امیدیں دل کی نگری کی مہمان ہوتی ہیں اگر دل میں کوئی آرزو اور خواہش باقی نہ رہے تو دل کی مثال ایک ایسے سنسان گھر کی طرح ہے جس کا

مہمان چلا گیا ہو۔ داغ نے بے آرزو دل کو سنسان گھر سے تشبیہ دی ہے۔ دراصل انسان کے دل کا خزانہ یہی آرزوئیں ہوتی ہیں دل کی بقا امیدوں اور آرزوؤں کی بدولت ہے اگر یہ ختم ہو جائیں تو دل بے کار ہو جاتا ہے۔ داغ نے اپنے ایک شعر میں یہی بات سادہ لفظوں میں کچھ یوں بیان کی ہے:

دل پر آرزو لٹا اے داغ
وہ خزانہ نظر نہیں آتا
ناصر کاظمی نے بھی یہی مضمون اپنے ایک شعر میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

دل سے امیدوں کے مسافر
چلے یہ نگری آج خالی ہو رہی ہے

اصل میں جب انسان آرزوؤں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو پھر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کا فعال کردار ختم ہو جاتا ہے حالات کا دھارا اسے جس طرف لے جائے وہ اُسی طرف بہتا رہتا ہے۔ داغ کا یہ کہنا کہ آرزوؤں سے خالی دل کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ دل میں آرزو ہو تو انسان متحرک رہتا ہے اور بہتر سے بہترین کی جانب گامزن رہتا ہے۔ یہ تحریک اس کی کامیابی کا وسیلہ بنتی ہے لیکن جب انسان مایوس ہو جائے خواہش کرنا ہی چھوڑ دے تو پھر زندگی بے مقصد ہو جاتی ہے۔ اس کی ویرانی کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دل کا اصل خزانہ آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اور دل کے گھر کی بقا انہی کی بدولت ہے اگر یہ آرزوئیں ختم ہو جائیں تو دل کا گھر بیاباں ہو جاتا ہے جس سے انسان کو ڈر محسوس ہونے لگتا ہے۔ داغ کا کہنا ہے:

چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی
گھر بیابان ہوا جاتا ہے

(بورڈ 2019ء)

شعر نمبر 4:

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غم دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ زیر تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”عشق کا راز کھلنے پر بڑی ذلت برداشت کرنا پڑی لیکن اس طرح محبوب کو یہ علم تو ہو گیا کہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“

محبت کرنے والے کے لیے سب سے اہم بات محبوب تک اپنے دل کی بات پہنچانا ہوتا ہے۔ انسان جو کچھ محسوس کرتا ہے اس کا اظہار کرنا چاہتا ہے لیکن بعض اوقات معاشرتی قدریں اخلاقی ضابطے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ انسان جو کچھ محسوس کر رہا ہے اس کا کھلم کھلا اظہار کرے ورنہ اکثر اوقات اسے مخالفت برداشت کرنا پڑتی ہے اور ذلتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو فطری ہونے کے باوجود دوسروں سے چھپایا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کا اظہار کرے تو اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگرچہ عشق کا راز فاش ہونے سے انسان کو بہت سی رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ راز انسان اپنے قریبی یاروں کو بتا ہی دیتا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

ہر چند ہے افشائے محبت میں خرابی
یاروں سے مگر آنکھ چرائی نہیں جاتی

انسان اپنے جس دوست کو عشق کا راز بتا دیتا ہے عام طور پر وہ اس راز کو راز نہیں رکھ پاتا بلکہ آگے سنا دیتا ہے جس وجہ سے عشق کا یہ راز فاش ہو جاتا ہے۔ عشق کا راز فاش ہوتے ہی عاشق کو بہت سی ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر طرف اس کی بدنامیوں کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی رسوائیوں کا شور دور دور تک جا پہنچتا ہے۔ میر نے کیا خوب کہا ہے:

اور یہ ماجرا ہوا مشہور
شور رسوائیوں کا پہنچا دور

داغ کا موقف ہے کہ ہمارے عشق کا راز کھل گیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں ہر طرف ذلیل اور رسوا ہونا پڑا ہے ہماری رسوائیوں کا یہ عالم ہے کہ ہر طرف ہماری بدنامی کی کہانیاں اور قصے سنائے جا رہے ہیں اور ہمیں بہت ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ہم جدھر بھی جاتے ہیں وہاں ہم سے پہلے ہماری رسوائیوں کے قصے پہنچے ہوتے ہیں۔ داغ نے اپنے ایک اور شعر میں اپنے مخصوص انداز میں عشق میں ہونے والی رسوائی کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے۔

جب تیرے در سے اٹھا ، خلقت تماشا ہی ہوئی
پیچھے پیچھے داغ آگے آگے رسوائی ہوئی

داغ کا موقف یہ ہے کہ عشق کے راز فاش ہونا اور اس پر ذلت اٹھانا ایک لحاظ سے تو تکلیف دہ ہے لیکن اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے کہ ہمارے دل کا حال محبوب کو بھی معلوم ہو گیا۔ اس سے پہلے تو محبوب کو شاید یہ خبر ہی نہیں تھی کہ ہم بھی اس کے چاہنے والوں میں شامل ہیں لیکن عشق کا راز فاش ہونے سے اس تک یہ بات تو پہنچ گئی اور اسے معلوم ہو گیا کہ ہمارے دل میں اس کے لیے کتنی محبت ہے، کتنا خلوص ہے، کتنا پیار ہے اور کتنی وفاداری ہے۔ جب محبوب کو ہمارے عشق کا علم ہو گیا ہے، وہ جان گیا ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ مان بھی جائے۔ داغ کا کہنا ہے:

اُن کے عاشق ہیں وہ جانیں کہ نہ جانیں ہم کو
یہ سمجھتے ہیں کہ جب جان گئے، مان گئے

(بورڈ 2019ء)

شعر نمبر 5:

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غم دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملات محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

زیر تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”محبوب نامہ بر سے خوش نہیں ہوا مگر شکر ہے کہ وہ مجھے میرے نام سے پہچان تو گیا ہے۔“

انسان جب براہ راست محبوب سے بات نہ کر سکتا ہو تو اسے نامہ بر کے وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان اپنے دل کی بات خط لکھ کر محبوب تک پہنچاتا ہے اردو شاعری میں خط اور نامہ بر کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ قدیم دور میں یہ بہت ہوا کرتا تھا کہ انسان اپنے دل کی بات محبوب تک قاصد یا نامہ بر کے ذریعے خط لکھ کر پہنچایا کرتے تھے۔ غالب کا کہنا ہے:

خط لکھیں گے گرچہ کچھ مطلب نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

نامہ برجب پیغامِ محبتِ محبوب تک لے جاتا ہے تو عام طور پر محبوب کو نامہ بر کا آنا اور عاشق کا یوں خط لکھنا اچھا نہیں لگتا بلکہ وہ اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ بسا اوقات تو محبوب خط بغیر پڑھے ہی پھاڑ دیتا ہے اور بسا اوقات نامہ بر سے برے طریقے سے پیش آتے ہوئے اسے برا بھلا کہتا ہے۔ اردو شاعری میں یہ مضمون بھی کثرت سے ملتا ہے کہ جب بھی عاشق نامہ بر کے ذریعے یا خط کی زبانی محبوب سے اظہارِ محبت کرتا ہے، اپنا مطلب کھول کر بیان کرتا ہے تو محبوب اس بات سے ناخوش نظر آتا ہے۔ آتش کا کہنا ہے:

بند خط اس نے پھاڑ کر پھینکا
ہم نے جب کھول کر لکھا مطلب

اردو شاعری میں محبوب کی سنگدلی اور بے وفائی کا تذکرہ کثرت سے کیا جاتا ہے۔ انسان محبوب کو اپنے دل کی کیفیات جب نامہ بر کے ذریعے خط کی زبانی تفصیل سے لکھتا ہے تو محبوب کبھی تو اپنی فطری سنگ دلی کی بنا پر ان تفصیلات میں پڑنا گوارا نہیں کرتا اور کبھی اپنی ذات اور مصروفیات میں اس قدر مگن ہوتا ہے کہ وہ نامہ بھر کو اپنی مصروفیات کا بہانہ کرتے ہوئے خط پڑھنے اور اس کی تفصیلات میں الجھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ داغ کا کہنا ہے:

دیا نامہ بر نے آکر یہ جواب
انھیں بات کرنے کی فرصت نہیں
خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر
ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا

اگرچہ محبوب کا نامہ بر سے ناخوش ہونا عاشق کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن دیکھا جائے تو اس کا ایک مثبت پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اس بہانے محبوب تک عاشق کے دل کی بات پہنچ جاتی ہے۔ داغ کا موقف یہ ہے کہ ہمارا خط لے کر نامہ بر محبوب تک پہنچا۔ جسے دیکھ کر اس نے خوشی کا اظہار نہیں کیا لیکن ہمیں اطمینان ہے کہ اس نے ہمارا نام تو پہچان لیا ہے۔ محبت کرنے والے کے لیے یہی بہت ہوتا ہے کہ محبوب اس کا نام سن کر اسے پہچان لے۔ کسی کو چاہنا یا نہ چاہنا انسان کا ذاتی فعل ہے۔ ایک فرد جب کسی کو چاہتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی چاہت رائیگاں نہ جائے بلکہ محبوب اس کی چاہت کا اثبات کرے کیوں کہ دوسری صورت میں انسان کو اپنی محنت ہی نہیں بلکہ اپنی جان بھی جاتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر محبوب محبت کرنے والے کا نام سن کر اسے پہچان لے تو یہی بات اس کے لیے خوش کا باعث بن جاتی ہے کہ محبوب نے لا تعلقی کا اظہار تو نہیں کیا۔ انسان کے لیے سب سے تکلیف دہ چیز لا تعلقی ہوتی ہے انسان دشمنی تو گوارا کر لیتا ہے لیکن لا تعلقی گوارا نہیں کرتا۔

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

شعر نمبر 6:

بزمِ عداوت میں صورتِ پروانہ دل مرا
گو رشک سے جلا تیرے قربان تو گیا

تشریح: داغ دہلوی اردو ادب کے معروف غزل گو شاعر تھے۔ غم جاناں اور غمِ دوراں پر مبنی داغ کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کے عکاس بھی۔ ان کے بعض اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں داغ کہتے ہیں کہ ”دشمن کی محفل میں میرا دل پروانے کی طرح رشک سے جل گیا لیکن ترے قربان تو گیا۔“ ایک عاشق کے لئے سب سے تکلیف دہ بات یہ ہوتی ہے کہ جب اس کا محبوب غیروں کے ساتھ خوش گوار موڈ میں نظر آئے۔ انسان جب محبوب کو غیروں کی محفل میں دیکھتا ہے تو انسان رشک کے مارے جل جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔ جب محبوب غیر کی محفل میں جاتا ہے تو عاشق دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر محبوب کے پیچھے پیچھے غیر کی محفل میں پہنچ جاتا ہے۔ محبوب کی موجودگی سے غیر کی محفل عشق کا ایک میدان بن جاتی ہے جہاں عشق کا امتحان دینے کے لیے عاشق بھی غیروں کے شانہ بشانہ موجود ہوتا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

بزمِ دشمن میں لے چلا ہے دل
کیسے بے اختیار ہم بھی ہیں

میں بھی جاتا ہوں ساتھ غیروں کے
دوستِ دشمن کا امتحاں ہے آج

غیروں کی اس بزم میں جب محبوب غیروں سے گرم جوشی سے پیش آتا ہے تو عاشق کے لیے یہ مرحلہ انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جب محبوب غیروں پر لطف و کرم کرتا ہے تو عاشق کے لیے یہ چیز جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ محبوب کو غیروں کے ساتھ دیکھ کر اس کا دل رشک کے انگاروں پر لوٹنے لگتا ہے اور اس کا کلیجہ چھلنی چھلنی ہو جاتا ہے۔ داغ نے اپنے مخصوص انداز میں یہی کیفیت اپنے ایک اور شعر میں یوں بیان کی ہے:

ہاتھ منہ ان کا دھلایا غیر نے
ہاتھ اپنی جان سے دھوتے ہیں ہم

داغ دہلوی کا کہنا ہے:

غیر نے مہندی لگائی اس کے ہاتھوں میں جو داغ
خون آنکھوں میں اتر آیا حنا کو دیکھ کر

اصل میں محبت جذبہ ہی ایسا ہے کہ جس میں شراکت برداشت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے چاہتا ہے کہ وہ بھی فقط اسے ہی چاہے شاید اسی لیے بعض اوقات وہ محبت کرنے سے ڈرتا بھی ہے۔ چنانچہ عاشق غیروں کی محفل میں محبوب کو دیکھتا ہے تو وہ پروانے کی طرح جل جاتا ہے۔ جس طرح پروانے شمع کے گرد اکٹھے ہو کر اپنی جان قربان کر دیتے ہیں اسی طرح ایک عاشق بھی جب محبوب کو رقیب کے ساتھ دیکھتا ہے تو عاشق کے دل میں رقیب کے لیے رشک کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ عاشق محبوب کو دنیا کا سب سے بڑا خزانہ سمجھتا ہے اس لیے عاشق کو رقیب کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محبوب کی محفل میں موجود ہر شخص رقیب پر رشک کرتا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

دیکھنا رشک اس کی محفل میں
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

داغ کا موقف یہ ہے کہ محبوب ہمارے دشمن کی محفل میں موجود تھا ہم بھی وہاں پہنچ گئے دشمن کی خوش قسمتی پہ ہمیں اتنا رشک آیا کہ ہم پروانے کی طرح جل کر قربان تو ہو گئے ہیں لیکن یہ اس لحاظ سے بہت اچھا ہوا ہے کہ ہم نے جان تو محبوب پر قربان کر دی ہے۔ اپنی جان قربان کرتے ہوئے ہم دشمن کی محفل میں وفاداری اور جان بازی کے امتحان میں دشمن سے بازی لے گئے ہیں۔ محبت میں محبوب پر قربان ہو جانے میں ہی

محبت کرنے والا اپنی کامیابی محسوس کرتا ہے۔ یوں محبوب کی محفل میں قربان ہو کے ہمیں اپنی زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ حسرت موہانی کا کہنا ہے:

سے مر مٹے تجھ پہ، ہو گیا حاصل
مدعا اپنی زندگی کا

شعر نمبر 7:

ہوش و حواس و تاب و تواں، داغ! جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

مفہوم:

لگتا ہے کہ موت قریب آگئی ہے۔ دنیا سے ہماری رخصت کا وقت آ گیا ہے کیوں کہ نہ تو ہوش و حواس ٹھکانے پر ہیں اور نہ ہی پہلے جیسی توانائی باقی رہی ہے۔

☆☆☆☆☆



free ilm.